اردو نثر میں ترقی پسند تحریک کا حصّہ

ریاض احمد

شعبۂ اردو، او۔ پی۔ جے۔ ایس یونیورسٹی، چورو، راجستھان، موبائل:9596088326

اردو ادب میں ترقی پسند تحریک ان چند ہندوستانی نوجوان طالبِ علموں کی اختراع تھی جو لندن میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ ان کو سرمایہ دارانہ نظام سیاست سے نفرت تھی اور کارل مارکس کے اقتصادی فلسفے کی بنیاد پر روس میں قائم ہونے والے اشتراکی سماج سے ان کی ہمدردی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اس تحریک کا باقاعدہ آغاز سجاد ظہیر اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں ۱۹۳۶ء میں ہوا تھا، مگر اس تحریک کے قیام کا ابتدائی اعلان احمد علی، محمود ظفر اور ڈاکٹر رشید جہاں کے مشورے سے ۱۹۳۳ء میں کیا گیا۔ اس تحریک کی اولین فکری اساس اختر حسین رائے پوری کے مقالہ ''ادب اور زندگی'' نے فراہم کی تھی۔ یورپ کی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے جن میں ہندوستانی طلبا نے ہٹلر کے فاشزم کی مخالفت کی تھی ان طلبا کی جماعت نے ایک ادبی حلقے کی شکل ۱۹۳۵ء میں اختیار کی۔ اس ادبی حلقے میں اردو کے ادیب سجاد ظہیر انگریزی زبان کے ادیب اور ملک راج آنند، پرمود سین گپتا وغیرہ شامل تھے۔ ان طلبا نے ہندوستانی ادیبوں کی ایک انجمن بنانے کے خیال سے پہلا جلسہ لندن کے ''نان کنگ ریستوران'' میں کیا تھا۔ اس انجمن کا نام ''ہندوستانی ترقی پسند ادیبوں کی انجمن'' رکھا گیا۔ اس انجمن کے صدر ملک راج آنند منتخب ہوئے۔ سجاد ظہیر کا نام ترقی پسند تحریک میں اساسی حیثیت رکھتا ہے۔ اس تحریک کا عروج ان ہی کی کوششوں اور صلاحیتوں کا مرہون منت ہے۔ ترقی پسند تحریک کو اردو ادب کی وہ اولین تحریک کہا جاتا ہے جس کے لیے باضابطہ منشور تحریر کیا گیا تھا۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کے اس پہلے منشور کا مقصد یہ ہے کہ اپنے ادب اور دوسرے فنون کو پجاریوں اور دوسرے قدامت پرستوں کے اجارہ سے نکال کر عوام سے قریب تر لایا جائے۔ انھیں زندگی اور واقعیت کا آئینہ دار بنایا جائے جس سے ہم اپنا مستقبل روشن کر سکیں.....'' ترقی پسند تحریک کے پہلے منشور کو ہندوستان میں پریم چند نے خوش آمدید کہا ہے انھوں نے رسالہ ''ہنس'' میں اس کو شائع کر کے ایک اداریہ لکھا اس میں ان کے مقاصد کی حمایت کی تھی۔

ہندوستان میں سب سے پہلے الٰہ آباد میں ہی انجمن ترقی پسند مصنّفین کا قیام کیا گیا اور علی گڑھ میں ترقی پسند مصنّفین کا پہلا جلسہ خواجہ منظور حسین کے مکان پر ۱۹۳۶ء کے آغاز ہی میں ہوا۔ اس جلسے میں علی سردار جعفری نے جدید ادب اور نوجوانوں کے رجحانات پر مقالہ پڑھا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ امرتسر، لاہور اور پنجاب میں فیض احمد فیض محمود ظفر، رشید جہاں، فیروز الدین منصور وغیرہ نے ترقی پسند تحریک کو مضبوط بنانے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ ترقی پسند تحریک کی کل ہند کانفرنس ۱۹۳۶ء کو لکھنؤ میں قائم کی گئی، اس کی صدارت پریم چند نے کی اور ۱۹۵۷ء میں لاہور میں سجاد ظہیر اور ڈاکٹر اشرف نے علامہ اقبال سے ملاقات کر کے ان کے سامنے تحریک کے مقاصد رکھے تو اقبال نے ان کی بہت حوصلہ افزائی کی اور اقبال نے کہا کہ مجھے ترقی پسند تحریک کے ساتھ بہت ہمدردی ہے آپ مجھ سے ملاقات کرتے رہیں۔ سجاد ظہیر نے اپنی ایک ڈائری میں ترقی پسند تحریک کے متعلق لکھا ہے:

> ''ہم رفتہ رفتہ سوشلزم کی طرف مائل ہوتے جا رہے تھے۔ ہمارا دماغ ایسے فلسفے کی جستجو میں تھا جو ہمیں سماج کے دن بہ دن بڑھتی ہوئی پیچیدگیوں کو سمجھنے اور سمجھانے میں مدد کر سکے.....جیسے جیسے ہم اپنے مطالعہ کو بڑھاتے، آپس میں بحثیں کرتے تاریخی، سماجی اور فلسفیانہ مسئلوں کا حل کرتے، اسی نسبت سے ہمارے دماغ روشن ہوتے اور ہمارے قلب کو سکون ہوتا جاتا تھا، یونیورسٹی کی تعلیم ختم کرنے کے بعد یہ ایک نئے لامتناہی تحصیل علم کی ابتدا تھی۔''

(سجاد ظہیر، روشنائی، ص:۲۰)

ترقی پسند تحریک ماضی پرستی، تصور پرستی سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کر کے تاریخی شعور حال کی جدوجہد اور مشاہدے کی اہمیت پر زور دیتی ہے۔ ترقی پسند مصنّفین کے اعلان نامہ میں یہ بات واضح طور پر کہی گئی تھی کہ ہندوستانی ادیبوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہندوستانی زندگی میں

رونما ہونے والی تبدیلیوں کا واضح طور پر اظہار کریں اور اردو ادب میں سائنسی عقلیت پسندی کو ترقی دیتے ہوئے اس قسم کی تحریک کی طرفداری کریں۔ ان مصنّفین کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اس قسم کی تنقید کو رواج دیں جس سے خاندان، مذہب، رجعت پسندی اور ماضی پرستی کی روک تھام کی جائے اور مستقبل کے لیے نئی راہیں ہموار ہو۔ ڈاکٹر انور سدید اپنی کتاب ''اردو ادب کی تحریکیں'' میں ترقی پسند تحریک کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

> ''رومانیت اور حقیقت نگاری کی تحریکیں ایک طویل عرصے تک الگ الگ جہت میں سفر طے کرتی رہیں۔ ترقی پسند تحریک کی ابتدا ہوئی تو یہ دونوں دھارے آپس میں مل گئے۔ چنانچہ ترقی پسند تحریک نے اقبالؔ کی رومانیت سے تخلیقی قوّت اور جوش کی رومانیت سے بغاوت کا جذبہ حاصل کیا۔''

(اردو ادب کی تحریکیں، ڈاکٹر انور سدید، ص:۴۳۴)

ترقی پسند ادبی تحریک نے اردو شعر میں بھی ایک نئے آہنگ کا اضافہ کیا ہے۔ فراق گورکھپوری ترقی پسند تحریک سے وابستہ رہے ہیں۔ ان کے اشعار کی اپنی آواز اور لب و لہجے۔ اسی طرح فیض بھی ترقی پسند شعرا میں ممتاز شاعر ہیں اور معین احسن جذبی، مخدوم محی الدین، کیفی اعظمی، جاں نثار اختر، مجروح سلطانپوری، اختر الایمان، احمد ندیم قاسمی، شاد عارفی وغیرہ نے بھی شعر و شاعری میں نمایاں کارنامے انجام دیے ہیں۔ ترقی پسند تحریک کے اثرات سے نثری اصناف جیسے افسانہ، ناول، ڈراما، طنز و مزاح، ڈائری رپورتاژ اور خطوط کو بھی خوب فروغ حاصل ہوا اور ترجموں کے ذریعے بھی بہت سی ملکی اور غیر ملکی تخلیقات اردو میں منتقل ہوئیں اور تنقید میں بھی ایک مستقل اندازِ نظر یعنی مارکسی تنقید پروان چڑھا۔ یہ ترقی اور فروغ کے سب کام ترقی پسند تحریک کے ہی مرہونِ منت ہیں۔ ترقی پسند تحریک سے پہلے اردو میں تصوراتی اور عینیت افسانوں کی دھوم تھی۔ مجموعہ ''انگارے'' کی اشاعت سے پریم چند اور ان کے معاصرین میں تبدیلی آئی۔ انگارے میں احمد علی کے دو اور سجاد ظہیر کے پانچ، رشید جہاں کے دو اور محمود ظفر کا ایک کل ملا کر اس مجموعے میں ۱۰ افسانے شامل ہیں۔ بقولِ خلیل الرحمٰن اعظمی، انگارے کے مصنّفین کے یہاں جو بے لگام حقیقت نگاری ہے وہ قدیم معاشرے اور اخلاق و قوانین کے خلاف ایک وحشیانہ بغاوت ہے۔ ان افسانہ نگاروں کے مطالعے کا اثر ہے۔ خاص طور پر ڈی۔ ایچ۔ لارنس اور جیمس جوائیس وغیرہ کا اور کچھ اردو کے رومانی ادیبوں کی ان تحریروں کا جن میں فرسودہ اخلاقی نظام کے خلاف ایک انقلابی رومانیت اور شوخ و بیباکانہ اندازِ نگارش ملتا ہے۔ قاضی عبدالغفار کے ''لیلیٰ کے خطوط'' اور نیاز فتح پوری کے افسانے ''جنت کی حقیقت'' میں انگارے کے نوجوان افسانہ نگاروں کی وہ دبی ہوئی چنگاریاں ہیں جو موقع پانے پر شعلۂ جوالہ بن گئیں''۔ اس طرح سجاد ظہیر کا ایک اور طویل افسانہ یا ناولٹ یعنی ''لندن کی ایک رات'' اور محمود الظفر کا ایک ڈراما ''امیر کا محل'' وجود میں آئے اور پھر رشید جہاں نے ''نئی..... کے نئے عیب''، 'پن' اور ''غریبوں کے بگوان'' وغیرہ لکھیں۔ احمد علی نے ''ہماری گلی''، وہ میرا کمرہ''، 'دلی کی شام' استاد شیر خان وغیرہ جیسے افسانے لکھے۔ پریم چند سے جو افسانہ نگار بہت متاثر ہوئے ان میں چند ذیل میں ہیں۔ مثلاً سدرشن، اعظم کریوی، علی عباس حسینی اور سہیل عظیم آبادی ہیں۔ علی عباس حسینی اور سہیل عظیم آبادی ترقی پسند تحریک سے بھی بہت متاثر ہوئے۔ علی عباس حسینی نے ترقی پسند تحریک سے متاثر ہوکر '' آم کا پھل''، 'کیا کیا جائے اور 'بھوک' جیسے افسانے لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے عمدہ اور کامیاب افسانے 'برف کی سل'، چیل کے انڈے' وغیرہ ہیں۔ ان کے افسانوی مجموعے بھی درج ذیل میں ہیں۔ مثلاً آئی۔ سی۔ ایس، 'باسی پھول' 'میلہ گھومتی' وغیرہ ہیں۔ حیات اللہ انصاری کے افسانوں کا پہلا مجموعہ 'انوکھی مصیبت'' ہے۔ یہ مجموعہ ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا ہے۔ اس مجموعے میں 'کمزور پودا'، 'بھرے بازار میں۔ ڈھائی سیر آٹا، وغیرہ شامل ہیں۔ 'آخری کوشش' حیات اللہ انصاری کا بہت مشہور افسانہ ہے ان کے کئی دوسرے مشہور افسانے بھی درج ذیل میں ہیں۔ ماں باپ، کالا دیو، راجہ بنسی، شکر گزار آنکھیں''۔ 'ماں اور بیٹا' بارہ برس کے بعد' سہارے کی تلاش میں بہت مشہور افسانے ہیں۔

کرشن چندر کا نام بھی ترقی پسند افسانہ نگاروں کی قد آور شخصیتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ انھوں نے سب سے زیادہ افسانے اور ناول تحریر کیے ہیں۔ ان کے افسانوں میں اشتراکیت، رومانیت کا امتزاج ملتا ہے۔ ان کا پہلا مجموعہ 'طلسمِ خیال' ہے۔ یہ مجموعہ ان کے رومانوی مزاج کا نقشِ اول ہے۔ کرشن چندر نے سماج کی حقیقتوں کو بڑی خوب صورتی سے پیش کیا ہے۔ ان کا ایک اور مجموعہ 'نظارے' ہے۔ حقیقت کی طرف ان کی پیش قدمی رہی ہے۔ کرشن چندر کے ابتدائی افسانوں میں 'جہلم میں ناؤ پر' اور 'آنگن' کا شمار ہوتا ہے۔ ان کے افسانوں میں 'لمبی سڑک' یادگار افسانہ ہے۔ اس افسانے کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ انھوں نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کی بنا پر مغربی افسانوں کی تکنیک کو نہایت چابکدستی سے

استعمال کیا ہے۔کرشن چندر کے تین مختصر افسانے ہیں 'زندگی کے موڑ پر' 'گرجن کی ایک شام'، بالکونی بہت مشہور ہوئے ہیں۔کرشن چندر کے افسانوں میں طنز کی وہ لہر ہے جس کی کاٹ بہت تیز ہے ان کے اس نسبت سے تعلق رکھنے والے افسانے ان داتا، بھگت رام، موہی، کالو بھنگی اور برہم پُترا وغیرہ ہیں۔ان کے طرز میں رنگینی بھی بہت ہے۔کرشن چندر کے بہت سے افسانوں میں خطابت کا رنگ بھی خوب جھلکتا ہے۔ان کے اس طرز کے افسانے 'گھونگٹ میں گوری چلے' اور 'ہم وحشی ہیں'۔ان کے کثیر افسانوں کی وجہ سے ان کا نام دنیا کے عظیم افسانہ نگاروں میں گنا جاتا ہے۔اس کے بعد منٹو کا نام آتا ہے۔ان کی ادبی زندگی کے آغاز میں روسی ادیبوں کا بڑا گہرا اثر رہا۔'نیا قانون' ان کا ابتدائی اور انقلابی افسانہ ہے۔منٹو نے جنسی مسائل کو بھی خوب بے باکی سے بیان کیا ہے۔منٹو پر عریانی اور فحش نگاری کے جرم میں مقدمے بھی چلے ہیں۔ہتک، کالی شلوار، خوشیا اور نعرہ منٹو کے کامیاب اور مشہور افسانے ہیں۔منٹو پر جتنا زیادہ عریانی کا الزام لگتا رہا انھوں نے اسی طرز کے اتنے زیادہ افسانے لکھے ان کے اس طرز کے افسانے درج ذیل ہیں۔ پھاہا، چوہے دان، دھواں، کھول دو، ٹھنڈا گوشت وغیرہ ہیں۔بابو گوپی ناتھ، ٹوبہ ٹیک سنگھ وغیرہ بھی ان کے مشہور افسانے ہیں ان کے افسانوں کے مجموعے ''منٹو کے افسانے سڑک کے کنارے، دھواں چند، ٹھنڈا گوشت، سرکنڈوں کے پیچھے، برق، نہرو و کی خدائی، لذتِ سنگ، یزید، سیاہ حاشیے وغیرہ ان کے افسانوی مجموعے ہیں۔ان کے علاوہ راجندر سنگھ بیدی بھی ترقی پسند افسانہ نگاروں کی صف میں شمار ہوتے ہیں جنہیں ان کا پہلا ہی مجموعہ شائع ہونے پر قدآور اور صف اول کا افسانہ نگار تسلیم کیا گیا ہے۔ بیدی کے یہاں زندگی کے چھوٹے چھوٹے اور معمولی مسائل ملتے ہیں۔ان کے افسانوں میں خوب گہرائی نظر آتی ہے اور عام گھریلو زندگی سے ان کے افسانوں کا مواد ہے۔ بیدی کے افسانوں میں کرداروں کی نفسیات کا بھی گہرا مطالعہ ملتا ہے۔ان کے معروف افسانے زین العابدین، گرہن، کوکھ جلی، لاجونتی، گرم کوٹ، من کی من میں، دس منٹ بارش میں، ہڑیاں اور پھول، رحمان کے جوتے وغیرہ ہیں۔ان کے متعلق اسلوب احمد انصاری لکھتے ہیں کہ ''مواد اور فن دونوں کے اعتبار سے اگر اردو کے دو بڑے کہانی نگاروں کا نام لیا جائے گا تو بلا شبہ پریم چند اور راجندر سنگھ بیدی کا نام لیا جائے گا۔

بیدی کے افسانوں کے مجموعے 'دانہ و دام، گرہن، اپنے دکھ مجھے دے دو، کوکھ جلی وغیرہ کو بہت قبولیت حاصل ہوتی ہے۔ان کے علاوہ عصمت چغتائی کا نام بھی افسانہ نگاروں کی فہرست میں کافی اہمیت کا حامل ہے۔عصمت چغتائی نے اپنے افسانوں میں مورت کے جذبات اور صورت کے مسائل کو موضوعِ بحث بنایا ہے ان کے افسانوں میں متوسط طبقے کی تہذیبی زندگی اور گھریلو مسائل ہوتے ہیں۔اپندر ناتھ اشک کے افسانوں کا نیا اور ترقی پسندانہ دور اس وقت سے شروع ہوا ہے جب ان کیا فسانوں کا مجموعہ 'ڈاچی' شائع ہوا تھا۔اشک کا مجموعہ 'چٹان' ان کے قلم کی پختگی کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ان کے افسانے 'کا کڑاں کا تیلی'، 'بینگن کا پودا' وغیرہ فنی شعور اور تکنیک کے صحیح استعمال کی عکاسی کرتے ہیں۔اختر انصاری بھی ترقی پسند تحریک سے پہلے کے افسانہ نگار ہیں۔ان کے افسانوی مجموعے 'اندھی دنیا'، 'نازو'، 'لو قصہ سنو' وغیرہ ہیں۔ اختر انصاری نے اپنے مضامین کو مقامات' کہا ہے۔ایک قصہ سنو، ان کا ایک اور افسانہ ہے اس افسانے کو بھی بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ان کے متعلق وقار عظیم نے کہا ہے کہ 'اختر انصاری ہی اردو کے ایک ایسے افسانہ نگار ہیں جن کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ترقی پسند ہو کر بھی نئے ادب اور اس کی غلط راہوں سے بہت دور ہیں۔رند ہو کر بھی زندگی مدہوشوں سے بچنے کا دعویٰ اختر حسین انصاری کے علاوہ اردو کو کوئی افسانہ نگار نہیں کر سکتا۔''

احمد ندیم قاسمی نے اپنے افسانوں کا موضوع پنجاب کے دیہاتوں اور ان کی زندگی کو بنایا ہے۔ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ 'چوپال' ہے۔ 'آنچل' اور 'طلوع و غروب' بھی ان ہی کے افسانوی مجموعے ہیں جو بعد میں شائع ہوئے ہیں۔ دیوندر ستیارتھی نے گھوم کر پورے ہندوستان کا مشاہدہ کیا اور گیتا کھٹے کئے پھر ان کو اپنے افسانوں میں پیش کیا ان کا پہلا مجموعہ 'میں ہوں خانہ بدوش' کے عنوان سے شائع ہوا اور بعد میں ان کے یہ افسانے سے دیوتا، یہ آدمی، یہ بیل اور لال دھرتی وغیرہ اپنے نئے پن اور نئے تجربے کی بنا پر قابلِ توجہ بنے رخوب شہرت ملی۔ بلونت سنگھ، اختر حسین رائے پوری خواجہ احمد عباس وغیرہ افسانے ترقی پسند تحریک کے تحت بہت افسانے لکھے جس سے اردو ادب کا درد وسیع ہوا۔ترقی پسند تحریک کی فکری بنیادیں، اشتراکیت، اجتماعیت، جماعتی سیاست، سائنسی عقلیت اور مادیت سے پُر تھیں۔ترقی پسند مصنّفین کا خیال تھا کہ ادب اپنے دور کی سیاست کو کسی حال میں نظر انداز نہیں کر سکتا۔ترقی پسندی کا اصل سرچشمہ سوشلزم یا اشتراکیت تھا۔اس کو شروع میں چھپایا مگر بعد میں کھل کر اس کا اظہار کیا۔ پروفیسر احتشام حسین لکھتے ہیں:

''ہندوستانی ترقی پسند تحریک دنیا میں ترقی پسندی کی تحریک،

اشتراکیت کے اصولوں کے پرچار فاشزم کے خلاف تمدنی اور ادبی محاذ قائم کرنے کی تحریک کا ایک حصہ ہے اسے ان تحریکوں کے جزوِ کی حیثیت سے سمجھنا چاہیے۔''

(سید احتشام حسین، تنقید اور عملی تنقید، ص:۲۳۶)

ترقی پسند خواتین افسانہ نگاروں میں ہاجرہ مسرور، خدیجہ مستور، صدیقہ بیگم، رضیہ سجاد ظہیر اور شکیلہ اختر وغیرہ نے بہت مقبول و معروف افسانے لکھے ہیں۔ ہاجرہ مسرور نے 'امت مرحوم' اور 'اندھیرے اجالے' افسانے لکھے ہیں اور خدیجہ مستور نے 'مکھی'، 'پھند لے چلا یا بلا'، 'دادا' وغیرہ افسانے لکھے اور صدیقہ بیگم نے 'سورج کی تلاش'، 'راہی' اور 'گل دان کے پھول' وغیرہ افسانے لکھے ہیں۔ رضیہ سجاد ظہیر نے ''نیلی گھڑی' اور منہ بولا بیٹا وغیرہ افسانے لکھے اسی طرح شکیلہ اختر نے اپنے افسانوں کے مجموعہ 'آنکھ مچولی' اور 'تنکے کا سہارا' وغیرہ جیسے افسانے لکھے ہیں۔ یہ تمام افسانے ترقی پسند تحریک کے زیر اثر وجود میں آئے جن سے اردو ادب کی ترقی میں نمایاں اضافہ ہوا۔ ترقی پسند تحریک نے افسانوں کے علاوہ ناول اور ڈراموں کے معیار کو بھی بہت بلندی عطا کی۔ اس سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ کرشن چندر نے بھی بہت سے ناول لکھے ہیں۔ ان کا پہلا ناول 'شکست' ہے، جب کھیت جاگے'، 'آسمان روشن ہے'، 'طوفان کی کلیاں'، 'سڑک واپس جاتی ہے'، 'باون پتے' وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ ترقی پسند تحریک سے وابستہ ایک اور اہم ناول نگار عزیز احمد نے بھی بہت کامیاب ناول لکھے جس میں ان کا ابتدائی ناول 'ہوس اور خون' ہے پھر بعد میں گریز، ایسی بلندی ایسی پستی، اور آگ جیسے اعلیٰ اور معیاری نامور ناول لکھے ہیں۔ شبنم بھی ان کا ہی ایک ناول ہے جس کو ہمت، شہرت ملی، انھوں نے فسادات کے موضوع پر اور انسان مرگیا، رام آنند ساگر جیسے اعلیٰ ناول لکھے اور شوکت علی صدیقی نے 'خدا کی بستی' لکھا ہے۔ اس ناول کو بھی بہت شہرت ملی پھر راجندر سنگھ بیدی نے ایک ناول 'ایک چادر میلی سی'، لکھا جو بہت مشہور ہوا۔ ایک اور اہم ناول حیات اللہ انصاری کا 'لہو کے پھول' ہے۔ ترقی پسندی میں سب سے پہلا ڈراما سجاد ظہیر نے 'بیمار' کے نام سے لکھا یہ ڈراما سجاد ظہیر نے لندن کے قیام کے دوران لکھا تھا ان کے بعد محمود ظفر نے 'امیر کا محل' اور رشید جہاں نے 'عورت' لکھ کر ڈرامے کی دنیا کو تقویت بخشی۔ اس زمانے میں احمد علی نے ایک ڈراما لکھا جس کا نام آزادی اور عابد گریزی نے 'ڈاکٹر'' لکھا ہے۔ پھر فیض احمد فیض نے بھی 'پرائیویٹ سکریٹری'' کے عنوان سے ایک ڈراما لکھا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ڈراما ''دروازے کھول دو'' کرشن چندر کا مرحونِ منت ہے۔ کرشن چندر کا ایک اور اہم ڈراما 'کتے کی موت' ہے۔ منٹو کا ایک عمدہ ڈراما ہے اس طرح اپندر ناتھ اشک نے فرزانہ، قید حیات، پینترے، شکاری اور دوسرے کئی ڈرامے لکھے ہیں۔ ان کے ڈرامے بھی بہت مشہور ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ عصمت نے سانپ اور فسادی ڈرامے لکھے ہیں جو کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ فسادات پر ان کا مشہور ڈراما 'دھانی بانکپن' بہت مشہور ہوا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ڈراما نگار آئے ہیں جنھوں نے ڈرامے لکھ کر اردو ادب کو ترقی دی ہے۔

طنز و مزاح اور رپورتاژ، خطوط اور خاکے بھی ترقی پسند تحریک کی ہی دین ہیں۔ کنہیالال کپور کا نام بھی ترقی پسند ادیبوں کی فہرست میں لیا جاتا ہے ان کے طنزیہ و مزاحیہ مضامین کا پہلا مجموعہ ''سنگ و خشت' ہے۔ قمری لباس، علامہ ظہور بھی ان کے عمدہ مضامین ہیں۔ ان کا سب سے مشہور اور مقبول مضمون 'غالب جدید شعرا کی ایک محفل میں'' ہے اس مضمون کو بہت قبولیت حاصل ہوئی ہے۔ زندگی کے دوسرے کئی موضوعات پر بھی ان کے مضامین ملتے ہیں۔ کرشن چندر نے بھی مزاحیہ اور طنزیہ مضامین لکھے ہیں ان کی ادبی زندگی کا آغاز بھی طنزیہ اور مزاحیہ مضامین سے ہوا ہے۔ طنزیہ مضامین میں ابراہیم جلیس نے بھی طبع آزمائی کی ہے۔ ان کا پہلا مجموعہ 'چالیس کروڑ بھکاری' تھا اس کے علاوہ بھی ان کے طنزیہ مضامین کے بہت سے مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ رپورتاژ بھی ترقی پسندی کی ہی دین ہے۔ سجاد ظہیر نے ایک رپورتاژ ''سیندر ہرسٹ روڈ' لکھا ہے یہ رپورتاژ بمبئی کی زندگی سے متعلق تھا، صنفِ رپورتاژ کو ہی قوت کرشن چندر کے رپورتاژ 'پودے' سے ملی ہے۔ اس میں حیدر آباد کانفرنس کی روداد ہے۔ اس کانفرنس کی پوری زندگی اس رپورتاژ میں سمٹ آئی ہے۔ کرشن چندر کا ایک اور رپورتاژ ''جب صبح ہوتی ہے' بہت مشہور ہے۔ اس میں اس رپورتاژ میں دکن کے کسی سفر کی روداد ہے۔ ابراہیم جلیس نے بھی صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ کافی عمدہ رپورتاژ لکھے ہیں۔ ان کا ایک مشہور رپورتاژ فسادات سے متعلق ہے جو دو ملک ایک کہانی کے عنوان سے چھپا ہے۔ عادل رشید نے بھی 'خزاں کے پھول'' کے نام سے ایک رپورتاژ لکھا ہے جو بہت مشہور ہوا ہے ان کے علاوہ بھی کئی ادیبوں نے رپورتاژ لکھے ہیں۔ خطوط میں ''نقوشِ زنداں'' سجاد ظہیر کی بہت مقبول کتاب رہی ہے۔ ان خطوط میں ان کی زندگی کا سارا عکس سامنے آجاتا ہے۔ عطیہ اختر نے جو خط اپنے شوہر کو لکھے تھے ان کا مجموعہ ''زیرِ لب'' کے عنوان سے چھپا ہے۔ خاکوں کے سلسلے میں ''دوزخی''

عصمت چغتائی کا خاکہ بہت مشہور ہوا ہے یہ خاکہ عصمت چغتائی نے بڑے بھائی عظیم بیگ کے بارے میں لکھا ہے، منٹو نے بھی گنجے فرشتے، لاؤڈ اسپیکر، مینا بازار کے عنوان سے بھی خاکے لکھے ہیں اور شخصیت نگاری کی مثالیں پیش کیں۔ اسی طرح ڈائریوں کے سلسلے میں بھی بہت سی تصانیف وجود میں آئی ہیں۔ مسافروں کی ڈائری میں خواجہ احمد عباس نے غیر ملکی سفر کی روداد لکھی ہے۔ اختر انصاری نے بھی اپنی ایک ڈائری میں اپنے خیالات پیش کیے ہیں۔ تمنائی نے چینی کہانیوں کے ترجمے ''زندہ چین'' کے نام سے کیا ہے۔ تمنائی نے انھیں اردو زبان میں منتقل کر کے ترقی پسند تحریک کے ادبی رجحانات کو پروان چڑھانے میں کافی دد کی۔ انصاری نے ''چین کی کہانیاں'' کے نام سے چینی کہانیوں کا ترجمہ کیا ہے۔ اختر حسین رائے پوری نے بھی 'شکنتلا'' کا ترجمہ کیا ہے۔ عزیز احمد نے ارسطو کی 'بوطیقا' کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ ان کے علاوہ ہاروڈ کے ناول ''فریڈم روڈ'' کا ترجمہ احسن علی نے 'آزادی'' کے نام سے کیا ہے۔ اس طرح گجراتی، مرہٹی، تامل اور کنڑی زبانوں کے افسانے بھی کافی تعداد میں اردو میں ترجمہ ہوئے۔ ان کے علاوہ ایرانی مصری، ترکی اور عربی افسانوں کے ترجمے بھی اردو میں ہوتے۔ اس طرح رامل سنکر تابن کی ہندی کہانیوں کو طفیل احمد خان نے ''وارگا سے گنگا تک' کے نام سے اردو میں منتقل کیا ہے۔ ہندی کے اہلِ علم کے مضامین کا ترجمہ بھی اردو میں ہوا۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ ترقی پسند تحریک کی بدولت اردو نثر کو بہت فروغ حاصل ہوا اس دور میں بہت سے ادیب نمودار ہوئے جنھوں نے اپنی تصنیفوں کے ذریعے اور اپنے کارناموں کے ذریعے اردو نثر کو فروغ دینے میں چار چاند لگا دیے۔ اسی بدولت اردو نثر نے ترقی کی منزلیں طے کیں اور اپنا ایک مقام بنا لیا آج اردو نثر کی جو بھی نوعیت ہے وہ ترقی پسند تحریک کے ان ہی ادیبوں کی جدوجہد اور کوششوں کا نتیجہ ہے۔ آخر میں اپنے مقالہ کو ڈاکٹر انور سدید کے اس اقتباس پر خاتمہ کروں گا جس میں وہ ترقی پسند تحریک پر جائزہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''ترقی پسند تحریک بنیادی طور پر ادبی تحریک تھی، لیکن اس کے معاونین میں بہت سے ایسے ادبا بھی شامل تھے۔ جن کے سیاسی نظریات ان کی زندگی کے پورے کل پر محیط تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے جب ایک ادبی تحریک کی قیادت سنبھالی تو ادب کو سیاست میں استعمال کرنے کی کوشش کی اور ذہنی پیش قدمی کو تیز کر دیا۔''

(اردو ادب کی تحریکیں، ڈاکٹر انور سدید، ص: ۴۸۷)

◆◆◆

قابل توجہ

- ''ایوانِ اردو، دہلی اور ''بچوں کا ماہنامہ اُمنگ'' کو کثیر تعداد میں قلمکاروں کی نگارشات موصول ہوتی ہیں۔ تمام قلمکاروں کو جواب دینا ممکن نہیں ہوتا، جو تخلیقات برائے اشاعت منظور کر لی جاتی ہیں، ان کو حتی الامکان جواب دے دیا جاتا ہے۔ جن لوگوں کو منظوری کا جواب موصول ہو جائے وہ اپنی تخلیق دوسری جگہ برائے اشاعت روانہ نہ فرمائیں، جو قلمکار ایسا کرتے ہیں یہ ادبی اور اخلاقی بددیانتی ہے۔ ادارہ ایسے قلمکاروں کو ''بلیک لسٹ'' کرنے میں حق بہ جانب ہوگا۔
- قلم کار حضرات اپنی ہر تخلیق کے ساتھ 'غیر مطبوعہ تخلیق' کا 'تصدیق نامہ' ضرور ارسال فرمائیں۔

— ادارہ